© rasailojaraid.com

ڈاکٹر حامد خان حامد

مولانا محمد علی جوہر اور ان کی شاعری

بیسویں صدی کے اوائل میں جب فرنگی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریک چلی تو کئی ایک مسلمان سیاسی راہنما یکے بعد دیگرے منظرِ عام پر آئے۔ اس سلسلے میں بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سر سید احمد خان، حکیم اجمل خان، حکیم انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، علامہ اقبال۔ مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے لندن گئے اور وہاں انھوں نے یہ نعرہ لگایا کہ میں یا تو برصغیر کی آزادی کا فرمان لے کر جاؤں گا یا مر جاؤں گا۔ چوں کہ ان دنوں جوہر کی آرزو کو جامۂ عمل پہنانے کی کوئی صورت نہیں تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری آرزو کا بھرم رکھ لیا۔ اس سفر میں آپ کی روح نے جسدِ خاکی کو الوداع کہا اور مجاہدینِ اسلام کی ارواح کے ساتھ ملحق ہو گئی۔ آپ کے جنازے کو احترام و تجلیل کے ساتھ بیت المقدس پہنچایا گیا اور وہیں انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے مدافن اور مقابر کے نزدیک سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کی وفات پر حمایت نامی شاعر نے ایک فارسی قطعہ کہا جو متعدد اخبارات و رسائل میں شائع ہوا۔ قطعہ یہ ہے:

آں فدائی قوم چوں از قلق رفت — رہنِ غم گشتہ زمین و آسمان
سالِ تاریخش حمایت بر نوشت — از جہاں رفتہ نصیبِ دشمنان
۱۳۴۹

تحریکِ آزادی کے دوران بعض ایسے مسلمان سیاسی راہنما منصۂ شہود پر آئے جو شعر و سخن میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ ان میں مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ حسرت موہانی اور ظفر علی خان کے شعری خصائص کے بارے میں تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن جوہر کی زندگی کا یہ پہلو بڑی حد تک نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ جوہر کو انگریزی اور اردو کا بہترین انشا پرداز تو تسلیم کیا گیا، ان کی خطابت اور شعلہ بیانی یا سحر گفتاری پر بھی انھیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا، لیکن ان کے شاعرانہ جوہر صحیح طور پر سامنے نہ آ سکے۔ ان کے اس پہلو سے بے توجہی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے ذہنی آزمائش کے پروگراموں میں جب ان کے بعض مشہور اشعار کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو بہت کم لوگ شاعر کا نام بتانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ آپ کے ایسے ہی اشعار میں سے جو شعر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ تر پوچھا جاتا رہا ہے، وہ یہ ہے:

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس چیز کے پیشِ نظر میں یہاں جوہر کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر کر کے صرف ان کی شاعرانہ خصوصیات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس ذیل میں سب سے پہلے آپ کا یہ شعر قابلِ توجہ ہے:

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد ہی آپ کی دلی تمنا پایۂ تکمیل کو پہنچی اور برصغیر کے مسلمانوں پر نہ صرف جوہر کے جوہر کھلے بلکہ ان کی مساعیِ جمیلہ کے ثمر خیز ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو استفادے اور استفاضے کا موقع ملا۔

جوہر کے کلام میں ساختگی، تصنع یا بناوٹ نظر نہیں آتی۔ انھوں نے قافیہ پیمائی یا ردیف آرائی کی خاطر میدانِ شعر میں قدم نہیں رکھا، بلکہ ذہنی واردات، قلبی کیفیات اور وقائع نگاری یا واقعات بندی کے لیے قوافی اور ردائف کی آڑلی اور موزوں و منضبط شکل میں ایک لازوال سرمایہ ہمارے واسطے فراہم کر دیا۔

آپ کے دیوان میں جو "گنجینۂ جوہر" کے نام سے ۱۹۵۰ء میں محرابِ ادب کراچی کی طرف سے شائع ہوا ہے اور جسے دوست قدوائی نے مرتب کیا ہے، زمانۂ طالب علمی سے لے کر عمر کے مختلف مراحل تک کا کلام موجود ہے۔ اصنافِ سخن کے اعتبار سے اس میں غزلیات، نوحے، مرثیے اور دیگر منظومات موجود ہیں، جن کو نظمیہ غزلیں یا غزلیہ نظمیں کہا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں متفرق اشعار جو فردیات اور قطعات کی صورت میں ہیں، وہ بھی مذکورہ دیوان میں موجود ہیں۔

اردو شاعری کی تاریخ تو بہت طویل ہے۔ نثر کی طرح یہ بھی دکن سے شروع ہوئی، پھر شمالی ہندوستان کی طرف آئی۔ دہلی، لکھنؤ اور رام پور ایسے ادبی مراکز قائم ہوئے۔ مولانا محمد حسین آزاد کی کوششوں سے لاہور بھی ادبی مرکز بن گیا۔ تقسیم کے بعد اردو ادب کے کم و بیش سارے وہ مراکز اجڑ کر رہ گئے، جن کا تعلق بھارت سے ہے، اب صرف لاہور ہی ایسا ادبی، تہذیبی اور ثقافتی مرکز ہے جہاں شعر و ادب کی نشو و نما بطریقِ احسن انجام پا رہی ہے، اگرچہ یہاں کی اردو زبان میں مقامی بولیوں یا زبانوں کے تال میل سے ایک نیا مزاج پیدا ہو رہا ہے۔ آگے چل کر ہمیں اسی زبان کو ٹکسالی زبان کا درجہ دینا ہوگا۔

جوہر اردو شاعری میں زیادہ تر میر تقی میر، غالب، داغ اور امیر مینائی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ غالب کے اثرات ان پر دیگر شعرا کی نسبت بڑے بھرپور انداز میں مرتسم ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی ایک غزلیں غالب کی زمی[ن]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کہی ہیں۔ ذیل میں فرداً فرداً جوہر کے ایسے اشعار کا جائزہ لیا جاتا ہے، جو انھوں نے مذکورہ شعرا کے انداز یا ان کے رنگِ خاص میں کہے ہیں۔

اگر میر و غالب کے سہلِ ممتنع کی جستجو مقصود ہو تو جوہر کے ان اشعار میں ان کے نمونے مل جائیں گے:

قید تنہائی کا لذت آشنا — کیسے کہہ دوں تارکِ لذات ہے
دشمنوں سے گر تلطف ہے تو پھر — دوستوں سے بھی مدارا چاہیے
یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا — منتظر ہیں فقط منانے کے

امیر مینائی کا رنگِ تغزل جوہر کے اشعار ذیل میں دکھائی دیتا ہے:

ڈر نہیں مجھ کو گناہوں کی گرانباری کا — تیری رحمت ہے سبب میری سبکساری کا
بوجھ میرا نہ اٹھائے کوئی محشر میں تو کیا — دستگیر آپ جو رحمت ہے گنہگاروں کی

داغ کی معاملہ بندی، سلاستِ زبان اور سادگیِ بیان ان اشعار میں نظر آتی ہے:

ان کے در سے زکوٰۃِ حسن اگر — گالیاں بھی ملیں تو کھا لینا
ایک ہی جام اور یہ سرمستی — ساقیا! دیکھ، میں چلا، لینا
نہیں معلوم آئی تھی حیا کم بخت کو کس سے — کہ حسرت نے مرے دامانِ دل میں آ کے منہ ڈھانکا

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ جوہر کا مندرجہ ذیل شعر، ریاض خیرآبادی کے جملہ کلام پر بھاری ہے:

کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لیے — یہ کیا کہ مے حلال وہاں ہو یہاں نہ ہو

غالب کے طرزِ بیان، تصوف و فلسفہ، دقتِ نظر، وسعتِ خیال اور ندرتِ فکر کا نمونہ جوہر کے اشعار ذیل میں نظر آتا ہے:

طوافِ کعبہ بھی کر آئے شوقِ حور و غلماں میں — جب آخر دار کو دیکھا درِ باغِ جناں پایا
جان بھی چیز ہے کوئی کہ رکھیں تم سے دریغ — پاس اتنا بھی نہ ہو رسمِ وفاداری کا
عشق ہی باعثِ تکوینِ جہاں ہے غافل — تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیکاری کا
دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد — ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد
لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں — آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد
ہے رشک کیوں یہ ہم کو سرِ دار دیکھ کر — دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلو سے دل کو لیکے وہ کہتے ہیں ناز سے — کیا آئیں گھر میں آپ ہی جب میزباں نہ ہو
نہ اڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے — ذرا پر باندھنا صیاد کس کے
یہ ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب — ظلم کا نام ستمگر نے حیا رکھا ہے

جوہر کے کلام میں اگرچہ اختصار ہے، لیکن جامعیت بھی موجود ہے۔ اس کا فنی تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں تصوف کے مسائل، فلسفے کے دقائق، عشق کی سرمستیاں، حسن کی دل نوازیاں، غم واندوہ کی کلفتیں، خدا کی وحدانیت، مسرتوں کی لذتیں، ظرافتوں کی چاشنیاں، اخلاق کی راہنمائیاں وغیرہ سبھی کچھ موجود ہے۔

آپ کے رنگِ تغزل کے لیے ذیل کے چند ایک شعر ملاحظہ ہوں:

ہم تو سمجھے تھے کہ ہوں گے اور بھی ظلم و ستم — حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا
آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا — تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور
ہم خاصگانِ اہلِ نظر اور یہ قتلِ عام — جور و ستم بھی کر تو ستمگار دیکھ کر
ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر — ہو انتخاب اسے نگہِ یار دیکھ کر

جوہر کے جو اشعار قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں، ان میں سے دو تو پہلے درج کیے جا چکے ہیں، جن کے قافیے اور ردیف یہ ہیں: کربلا کے بعد، جوہر کھلے۔ ایک اور شعر جس نے کافی شہرت پائی، یہ ہے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے — یہ بندہ، دو عالم سے، خفا میرے لیے ہے

معنویت کے لحاظ سے جوہر کے جو اشعار قابلِ غور و تعمق ہیں، ان میں سے چند ایک یہاں ثبت کیے جاتے ہیں:

جب اپنی پوری جوانی پہ آ گئی دنیا — تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا
آدمیت ہے تو بنیاد ہے ہر خوبی کی — ہو نہ یہ بھی تو دھرا کیا پھر انساں کے پاس
ہر شے کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا — جاں دیتے وقت شکر ادا ہو تو جانیے
رہرو تھا راہ عشق کا منزل کو پا لیا — اب اور کیا نشاں مری لوحِ مزار دے

طنز و ظرافت سے بھی جوہر کا کلام خالی نہیں، مثلاً:

کس بوالہوس سے لینے چلے تم بھی دادِ عشق — جوہر ضرور بھینس نے کی قدر بین کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوحے اور مرثیے میں جوہر کی راہ بالکل الگ ہے۔ ان کا انداز اچھوتا اور نرالا ہے۔ عصرِ حاضر میں مختصر مرثیہ گوئی یا جدید مرثیہ نگاری کی جو تحریک شروع کی گئی ہے، اس کے ڈانڈے جوہر کے نوحوں اور مرثیوں سے جا ملتے ہیں، کیوں کہ ان میں اختصار، ایجاز بلکہ اعجاز کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

نوحہ غم سے گھٹاتے نہیں ہم شانِ حسینؑ
حق ہے شاہد کے شہادت ہی تھی شایانِ حسین

حشر تک چھوڑ گئے ایک درخشندہ مثال
حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسانِ حسین

جوہر کا اپنا بھی ایک رنگِ سخن ہے، جو ان کو دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ اشعار قابلِ ملاحظہ ہیں:

الٰہی شکر ترا پھر مہِ صیام آیا
مہِ صیام نہیں عید کا پیام آیا

گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کے لیے
حرا میں عرش سے اقرأ کا جب پیام آیا

یادِ وطن نہ آتے ہیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

مستِ مئے الست کہاں اور ہوس کہاں!
طرزِ وفا ہے غیر ہے اپنے چلن سے دور

یوں بچ سکو مواخذۂ حشر سے تو ہاں
مار و دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

ضبط بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکر خدا
نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں

ہے مسلماں کی بس یہی پہچان
کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے

قولِ مومن ہے اس کے فعل کی شرح
وہ جو کہتا ہے کر گزرتا ہے

جوہر کا کلام صرف شعری محاسن سے ہی آراستہ نہیں، اس میں کہیں کہیں معائبِ سخن بھی موجود ہیں۔ جوہر اس بات سے ناآشنا نہ تھے، فقط جوہر ہی نہیں۔ بڑے بڑے شعرا کے کلام میں بھی حسن و قبح کے دونوں پہلو دست و گریبان ہوتے ہیں۔ اس باب میں داغ نے کیا خوب کہا ہے:

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان نہ لے آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے

جوہر میں دردِ مومن کی جملہ خصوصیات اور صفات موجود تھیں۔ وہ راضی بہ رضائے الٰہی تھے۔ رضا بہ قضا کے قائل تھے۔ راہِ خدا میں جان نثار کرنے اور جامِ شہادت نوش کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ خدائے لم یزل و لایزال، مولائے کل اور ختم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عاشق و شیدا تھے۔ جدوجہدِ آزادی کو خطرناک سمجھ کر فرنگی حکومت نے آپ کو بیجاپور جیل میں قید کر دیا۔ جیل میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

© rasailojaraid.com

وصلہ کے دیدار سے مشرف ہوتے۔ اس کیفیت سے متاثر ہو کر آپ نے یہ اشعار کہے :

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

اپنی چہیتی بیٹی آمنہ کی علالت اور بستر مرگ پر تڑپنے کی خبر جیل میں ملی تو رضا بہ قضا رہتے ہوئے یہ اشعار کہے :

ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہلِ تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

راضی بہ رضائے الٰہی کے ذیل میں فرماتے ہیں :

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

کسی شاعر کے کلام پر نقد و نظر کے لیے تین باتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں : (۱) شاعر نے کیا کہا ہے ؟ (۲) کیوں کہا ہے ؟ اور (۳) کیسے کہا ہے ؟ اس مقالے میں یہ تینوں باتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ پہلی بات کے ذیل میں شاعر کے موضوعات آتے ہیں۔ دوسری بات کے ضمن میں اس کے کلام کی افادیت زیر بحث آتی ہے اور تیسری بات کے سلسلے میں شاعر کا اندازِ بیان موضوعِ تنقید بنتا ہے۔ جوہر کے ہاں موضوعات کے لحاظ سے زیادہ تر اسلامی عقاید، نظریات اور اصول کی ترجمانی ہے۔ اس کی افادیت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسلوبِ بیان کا جہاں تک تعلق ہے، جوہر کے کلام میں زبان کی سادگی و سلاست اور بیان کی لطافت و حلاوت موجود ہے، آپ کے کلام میں صنائع و بدائع بھی ہیں۔ غزلیات کے باب میں دو غزلے یا ذوالمطلعین غزلیں بھی نظر آتی ہیں۔ ان میں ہر شعر منفرد حیثیت رکھتا ہے اور دوسرے اشعار سے مربوط بھی ہے۔ اس طرح آپ کے کلام میں تسلسل اور وحدت اثر (Unity of Impression) موجود ہے۔ زبان و بیان کے سلسلے میں بولی ٹھولی کا مزہ، زبان کا چٹخارہ، روزمرہ کی چاشنی اور محاورے کا لطف ہے۔ اس کے ساتھ ہی مصرعوں کا دروبست، لفظوں کا اتار چڑھاؤ، سُروں کا زیر و بم اور آوازوں کی جھنکار بھی کلام کے اثر کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ یا بعبارتِ دیگر دو چند بلکہ سہ چند کر دیتی ہے۔

© rasailojaraid.com